تصدیق
جلد ۰۲ شمارہ ۰۵، ۲۰۲۳

*Article*

# Critical Appreciation of "Man Chlay Ka Souda" In the Light of Mysticism Enlightenment and Science

## تصوف، سائنس اور عرفان کے حوالے سے ڈراما "من چلے کا سودا" کا جائزہ

**Dr. Muhammad Jamil Ahmad Barvi**[1], **Dr. Qaisar Aftab Ahmad**[*2]
[1] Assistant Professor, Department of Urdu, Punjab College, Islamabad
[2] Assistant Professor, Department of Urdu, University of Sialkot, Sialkot
*Correspondence: qaisar.aftab1972@gmail.com

ڈاکٹر محمد جمیل احمد باروی، ڈاکٹر قیصر آفتاب احمد

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، پنجاب کالج اسلام آباد، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ، سیالکوٹ

**ABSTRACT:** Ashfaq Ahmed is undoubtedly recognized amongst those drama artists whose dramas are believed to be very good based on their technicalities and thoughts depicted in the plays. The plot of "Man chalay ka Souda" is based on the self-awakening enlightenment of God to man and Science as these are the realities of man. The actual dilemma of man is not the curses like hunger, poverty, ignorance, sentiments, and disease; actually, it is the self-enlightenment which is the actual tragedy faced by man when he was born. Why is he suffering life as a whole? Every problem because he has not died yet etc.

**eISSN**: 2707-6229
**pISSN**: 2707-6210
**DOI:**https://doi.org/10.56276/zy8qpe19
Received:03-12-2023
Accepted:21-12-2023
Online:28-12-2023

**Copyright:** © 2023 by the authors.

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license
https://tasdeeq.riphahfsd.edu.pk

**KEYWORDS:** Manchalay Ka Souda, Enlightment, Science, Mysticism, Criticism, Dilemma, Metaphysics

تصوف کیا ہے؟ تصوف کی ایسی کوئی تعریف نہیں جسے حرف آخر کہا جائے۔ بلکہ ہر تعریف کے پیچھے ایسے دلائل موجود ہیں جو اسے درست ثابت کرتے ہیں۔ سید احمد دہلوی نے تصوف کی تعریف اس طرح کی ہے:

> "لفظ تصوف اسم مذکر ہے۔ اس کے اصطلاحی معنی خواہش نفسانی سے پاک ہونا ہے یا وہ علم جس کے وسیلہ سے صفائی قلب حاصل ہو"۔(۱)

دراصل لفظ صوفی کا استعمال ان کے لیے ہوا ہے جو اسلام کو اسی سادگی کے ساتھ اپناتے تھے جو اسلام کی اصل سے وابستہ تھا۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ صوفی کو "صوفی" صوف کا لباس استعمال کرنے کی وجہ سے کہا گیا۔ تصوف کی اصل سین تھی اور اس سوف کے مادہ سے نکلی تھی اس کو یونانی زبان میں حکمت کے معنی سے جانا جاتا ہے۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ صوفیائے کرام کی زندگی اصحاب صفہ سے مطابقت رکھتی ہے اس لیے ان کو صوفی کہا گیا۔ حضرت علی ہجویری اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ لفظ صفا نہایت عمدہ اور دل پسند ہے اور کدورت اس کی ضد ہے۔ تصوف پر لکھی گئی اولین کتاب کے مصنف امام ابو بکر ابو اسحاق لکھتے ہیں:

> "ایک گروہ کہتا ہے کہ انہیں ان کے باطن کی صفائی کے آثار کی پاکیزگی کی وجہ سے صوفی کہا گیا ہے"۔(۲)

غرض یہ کہ تصوف طہارت دل، ظاہری ستھرائی، تزکیہ نفس، اخلاق میں پاکیزگی اور ذکر الٰہی کا نام ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں تصوف کی روایات بہت مضبوط ہیں۔ یہ سلسلہ آج سے ایک ہزار سال قبل شروع ہوا۔ تمام سلاسل اس امر میں متحد ہیں کہ سالک کا اصل مطلوب حق سبحانہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔ اسی طرح تمام سالک متفق ہیں کہ اخلاق فاضلہ کی تصحیح سرکار دو عالم ﷺ کی اتباع سے ہوتی ہے۔

برصغیر میں تصوف کے یہ سلسلے روحانی اصلاح و تربیت کا مرکز ہیں جن میں سلسلہ چشتیہ، سلسلہ قادریہ، سلسلہ سہروردیہ، سلسلہ نقشبندیہ وغیرہ۔ اس سلسلے میں تکمیل سلوک کے لیے معین اسباق ہیں اور اس کا باقاعدہ نصاب ہے جو شیخ کامل کی رہنمائی میں مکمل کیا جاتا ہے۔

اُردو ڈرامے میں تصوف کی روایت کے حوالے سے بات کریں تو اشفاق احمد پاکستان کے نامور ڈرامانگار ہیں۔ انہوں نے اپنی تمام تر تخلیقات میں فکر و فن اور عقل و دانش کے دائرہ کار کا خیال رکھا ہے۔ انہوں نے اپنی تخلیقات سے قارئین کے لیے نئے راستے پیدا کیے ہیں۔ ان کے فکر پر تصوف اور صوفی ازم کے اثرات نمایاں ہیں اور تصوف کی جھلک نہ صرف ان کی تحریروں میں نظر آتی ہے بلکہ ان کے ریڈیائی، ٹیلی ویژن کے پروگراموں اور ڈراموں میں بھی نظر آتی ہے۔ اشفاق احمد کا نام ایسا ہے جن کے ڈرامے فکری و فنی لحاظ سے بہت اچھے ڈرامے قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ "من چلے کا سودا" کا پلاٹ تصوف، عرفان الٰہی اور عرفان ذات ہے۔ یہ عرفان الٰہی اور عرفان ذات ہی

انسان کی حقیقت ہے۔اس کا بڑا المیہ اس کی بھوک، جہالت، جذبات، غربت اور بیماری ہی نہیں بلکہ ذات سے آگاہی اور حقیقت سے شناسائی ہے۔وہ کیوں پیدا ہوا؟؟ دنیا میں مسائل کا سامنا کیوں کر رہا ہے؟ اتنا کچھ سہنے کے بعد وہ مر کیوں جاتا ہے؟

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

مصنف نے ڈرامے کا نام "من چلے کا سودا" رکھا جس سے مراد اپنی مرضی سے کوئی چیز حاصل کرنا ہے۔انسان کو بھی اللہ تعالی نے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے اور دو راستے بتا دیے ہیں۔اچھائی اور برائی کا راستہ آپ انسان کی اپنی مرضی ہے کہ وہ اللہ کے راستے پر چلتا ہے یا شیطان کے راستے پر چلتا ہے۔تاہم اشفاق احمد ڈراما کی تمام اقساط میں بار بار یہ مصرع دہراتے ہیں:"تیرے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا"

اشفاق احمد سائنسدان اور صوفی کے بارے میں "من چلے کا سودا" کے دیباچے میں "بنجارے کی ہانک" کے عنوان سے کچھ یوں رقمطراز ہیں:

"صوفی اور سائنسدان دونوں اوگ لگا کر کسی کی چھاگل کا پانی نہیں پیتے۔اپنا چشمہ دریافت کر کے اس سوتے سے اپنے تجسس کی پیاس بجھاتے ہیں"۔(۳)

اس ڈراما سیریل میں دوسری کڑی سائنس کے ساتھ وابستہ ہے۔سائنسی علم میں سب سے زیادہ" فزکس "سے تعلق ہے۔knowledge of matter change of matterاس سے بات بڑھ جائے تو metaphysics بن جاتی ہے جسے مابعد الطبیعیات کہتے ہیں۔صوفی اور سائنسدان کے شعبے علیحدہ علیحدہ ہیں لیکن ان دونوں کی سوچ ایک ہی ہے۔دونوں کا انداز اور طریق ایک ہی ہے۔تحقیق اور تجربہ کرنا۔کسی اور کی چھاگل کا پانی نہیں پیتے بلکہ اپنا چشمہ خود دریافت کرتے ہیں۔گویا سائنس میں فزکس اپنی معلومات تجربات سے اور کائنات کے گہرے مشاہدے سے حاصل کرتی ہے اور تصوف مراقبے کے زور پر اپنی بصیرت کی تجربہ گاہ میں اترتا ہے۔دونوں واردات کا مشاہدہ کرتے ہیں اور مشاہدے کے ذریعے معلومات کا اظہار کرتے ہیں۔اس ڈرامے میں دو قسم کے موضوعات ملتے ہیں۔ایک تو وہ جن پر اقبال اپنے خطبے "اسلامی ثقافت کی روح" زیر بحث کی ہے۔دوسری طرف برصغیر میں تصوف کی روایات کے حوالے سے صوفی ازم سائنس کے شانہ بشانہ چلتا نظر آتا ہے۔

اسلامی معاشرے کے جو اساسی ارکان ہیں، ان میں پہلا رکن توحید ہے۔یہ کوئی مابعد الطبیعیاتی یا کلامی مسئلہ نہیں بلکہ ایک تمدنی اصول ہے جس پر اسلامی معاشرے کی بنیاد ہے۔انسان کی فلاح اور دنیا میں عزت و تکریم حاصل کرنے کے لیے انسان کو اپنے اعمال کے لحاظ سے الخلق عیال اللہ کے اصولوں کا قائل ہونا ضروری ہے۔مساوات، آزادی اور اخوت اسی عقیدہ توحید کے مضمرات ہیں کیونکہ عقیدہ توحید کی رو سے کائنات کی غیر محدود فضا انسان ارتقا کے لیے ایک وسیع میدان اور حدیث کے مطابق ایک مقدس مسجد ہے جس کے ہر

کونے میں خدائے واحد کا نام بلند کرنا یعنی معاشرے کو ہر قسم کے غیر فطری امتیازات سے پاک کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے اور یہی وہ عالمگیر انسانی تصور حیات ہے جس کے بغیر کوئی معاشرہ اسلامی نہیں کہلائے گا اور بقول اقبال:

"اسلامی کلمہ کے جزو اول نے انسان کے اندر یہ نظیر پیدا کی کہ عالم خارج سے متعلق اپنے محسوسات کا مطالعہ نگاہ تنقید سے کرے اور قواعد قدرت کو الوہیت کا رنگ دینے سے باز رہے"۔ (۴)

اشفاق احمد اللہ تعالی کی وحدانیت کو ڈرامے کے ایک کردار محمد حسین کے ذریعے یوں بیان کرتے ہیں:

"او بھائی مارنے والا بھی وہی ہے جو زندگی بخشنے والا ہے۔ وہی رحیم و کریم ہے۔ وہی جبار و قہار ہے ۔وہی کشتی ہے وہی بھنور ہے"۔(۵)

اسی طرح عبداللہ گڈریا نے ارشاد کو عقیدہ توحید کا تصور دیا۔ منافقت اور شرک سے دوری کی تلقین کی:

"وحدانیت کو ستے خیر اں، وہ طاقتور ہے کسی کی مجال نہیں جو اس کے حکم سے نکل جائے۔ سب جن و انس کو اپنی عبادت کے واسطے پیدا کیا"۔(۶)

اقبال نے اسلامی معاشرے کی زبان ابدیت کا دارومدار رسول کریم ﷺ کی ختم نبوت پر رکھا ہے۔ اقبال نے اپنے پانچویں خطبے میں اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ قدیم وجدید کی حد فاضل پر مبعوث ہوئے۔ جہاں تک اسلامی معاشرے کے قوانین کی بنیاد وحی و تنزیل پر ہے۔ وہ زمانہ قدیم کی آخری یادگار ہیں۔ اقبال لکھتے ہیں:

"اسلام میں نبوت کیوں کہ اپنے اوج کمال کو پہنچ گئی ہے لہذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا ہے۔ اسلام اس عمل سے واقف تھا کہ انسان کی زندگی صرف سہاروں پر بسر نہیں ہوتی اس کے شعور ذات کی تکمیل ہوگی تو یوں نہیں کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے"۔(۷)

اشفاق احمد نے ختم نبوت پر یوں روشنی ڈالی ہے:

"عبداللہ: دیکھ بابالوکا! پیغمبروں نے آکر انسان کی کایا پلٹ دی اور چونکہ پیغمبروں کی آمد کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اس لیے اب سائنسدانوں کی ڈیوٹی بنتی ہے کہ نبیوں کے کام اور علم کو اس دنیا میں آگے پھیلائیں اور دکھی انسانیت کی مدد کریں۔ یہ کام اور کسی سے نہیں ہوگا صرف تم جیسے لوگوں سے وہ گا"۔(۸)

دولتِ علم مسلمانوں کی ایک عظیم وراثت ہے جو اپنے اندر عظمت اور بڑائی رکھتا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے نقوش علم و حکمت کی ہر ٹہنی پر چھوڑے ہیں۔ علوم و فنون کو اصل ڈگر پر لے کر چلنا اور علم کی روح کی شناخت کا ذمہ دراصل مسلمانوں کے حصہ میں آتا ہے۔ سائنس کی بنیاد بھی انہی کی وجہ سے ہے۔ علم کو ترقی کے سفر پر گامزن کرنا اور اس کی نشو و نما جن شرائط پر منحصر ہیں وہ شرائط اسلام

سے ہی وجود میں ہیں۔ یہ شرائط کیا تھیں؟ مشاہدہ معائنہ، فکر و نظر، مرئی اور غیر مرئی کا احترام، تجربہ و تحقیق، تفتیش اور تحقیقِ کائنات نہ ہوتیں تو علم کارستہ دیر تک رکا رہتا۔ چنانچہ اقبال کے مطابق:

"جہاں شعور نے آنکھ کھولی اور نظریہ تنقید سامنے آیا تو پھر زندگی کا مفاد اسی میں ہے کہ ارتقائے انسانی کے اوّلین مراحل میں ہماری نفسی توانائی کا اظہار جن ماورائے عقل طریقوں سے ہوا تھا ان کا ظہور اور نشو و نما رک جائے"۔(۹)

اشفاق احمد کا اجتہاد کے بارے میں نقطہ نظر کچھ یوں ہے:

"ارشاد:"جب تک فکر کی عادت کے مسلمانوں کو۔۔۔۔تدبر کا رجحان رہا۔۔۔۔۔۔جب مسلمان سائنسدان سوچتا تھا۔۔۔نماز بھی پڑھتا تھا۔۔۔۔۔۔ راتوں کو تاروں کو بھی دیکھتا تھا۔۔۔ہندسوں کی تلاش بھی کرتا تھا اور زکوۃ بھی دیتا تھا۔۔۔۔ناپ تول کر۔۔۔۔۔۔جب Aqua Regia ایجاد کرنا ضروری ہو گیا تھا ۔۔۔۔تینوں تہذیبوں کا محلول"۔(۱۰)

یہ چیز بالکل واضح ہو گئی ہے کہ نئے حالات کے مطابق اسلامی قانون بنانے میں کسی قسم کی دشواری نہیں۔ اسلامی معاشرے کی بنیاد توحید و ختم نبوت کے دو اصولی عقیدوں میں مضمر ہے۔ نبوت محمدیہ کی غایت یہ ہے کہ ایک ہی ہئیت اجتماعیہ قائم کی جائے جس کی تشکیل اس قانون الٰہی کے تابع ہو جو نبوت محمدیہ کو بارگاہ الٰہی سے عطا ہوا تھا۔ اقبال کے الفاظ میں اس وقت تینوں چیزوں کی ضرورت ہے۔ کائنات کی روحانی تعمیر، انسانیت فرد کی روحانی آزادی اور وہ عالمگیر بنیادی اصول جو اقوام کے اخلاقی اور روحانی ارتقا کے لیے سنگ میل کا کام دے سکیں۔ علم حواس کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا تو آپ کے پاس اپنے تفکر کا سلسلہ شروع ہوا۔ بقول اقبال:

"قرآنِ مجید کے نزدیک یہ سورج اور چاند، یہ سایوں کا امتداد، یہ اختلافِ لیل و نہار، یہ شکل و صورت کا تضاد، اقوام میں تصورِ کامیابی و ناکامی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سارا عالم قدرت جیسا کہ ہمیں اس کا ادراک ہوتا ہے حقیقت مطلقا کی آیات ہیں اور اس سے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان میں غور و فکر سے کام لے۔"(۱۱)

اشفاق احمد کے مطابق:

"رمضان: دیکھو بھائی جان! راستہ ایک ہی ہے اور راہ وہی راست اور سچی ہے جو سیدھی ہے، ان کو غور سے دیکھو جیسے درخت پر بیٹھا کٹ بڑھئی گھاس میں کیڑے کو دیکھتا ہے۔ پھر اس رہ کو پرکھو ۔۔۔جانچو۔۔۔اس کو آزماؤ۔۔۔چلو گزرو۔۔۔پر تیاؤ۔۔۔پھر اپنے آپ سے پوچھو۔۔۔ صرف

اپنے آپ سے، کسی اور سے نہیں، کسی اخبار، رسالے، کالم، یا ایڈیٹوریل سے نہ پوچھو۔۔۔اپنے آپ سے پوچھو۔اپنے آپ سے سوال کرو کہ آیا اس رستے کا کوئی دل بھی ہے یا نہیں"۔(۱۲)

تاہم واردات اس قلبی کیفیت کا نام ہے جس میں انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس کا تعلق کسی حقیقت سے قائم ہو گیا ہے۔اقبال کے مطابق اسلام نے انفس و آفاق پر غور کرنے کی بار بار تلقین کی ہے۔اپنی زندگی کے لیے ہدایت حاصل کرو۔تاریخ انسانی سے سبق حاصل کرو۔تدبر اور فکر کرو۔آنحضرت ﷺ نے دعا فرمایا کرتے تھے کہ انہیں حقیقت کا علم دیا جائے۔انبیاء اور صوفیاء کے قلبی مشاہدات بھی علم ہی کی صورتیں ہیں کیونکہ عشق وہ روحانیت ہے جو زندگی کو انقلاب اور تخلیقات کے راستے پر گامزن کرتا ہے اور وہ عقلیت جو عشق سے معرا ہو اسے محض زیرگی قرار دیا جا سکتا ہے۔زندگی میں عقل اپنی اہمیت رکھتی ہے لیکن زندگی کے بلند نصب العین سے بیگانہ ہو کر وہ بے قیمت رہ جاتی ہے۔"بے شک ارض و فلک کے وجود کی تخلیق اور لیل و نہار کی تبدیلی میں اہلِ عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں"۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تحقیق، آفات کا باعث ہے اور سائنس کی ترقی مذہب کے خلاف ہے لیکن اسلام کا سنہری دور اس بات کا عکاس ہے کہ جب مسلمان تو فکر اور تدبر تلاش کرتے تھے تو بے کراں زمین و آسمان کی وسعتوں کو پالیا، ہندسوں کی تلاش، ستاروں کے آگے جہاں دریافت کرنا، نماز، روزہ اور زکوۃ پر عمل پیرا ہونا، ابن الہیثم کی روشنیاں، جابر کے تیزاب، سینا کی حکمت، غزالی کی فکر ،سب سے محنت عیاں تھی، تفکر و تدبر تھا، تحقیق و جستجو تھی۔

سعی پیہم ہے ترازوئے کم و کیف حیات
تیری میزاں ہے شمار سحر و شام ابھی

اہلِ مشرق خدا کے عشق میں غوطہ زن ہیں اور اہل مغرب نے اس کائنات کے ہر رمز کو عیاں کیا۔انسانیت کو مکمل کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ عشق وزیر کی آمیزش سے اکسیر حیات حاصل ہو۔بقول اقبال:

"واردات باطن کی کوئی بھی شکل ہو۔ہمیں بہر حال حق پہنچتا ہے کہ عقل و فکر سے کام لیتے ہوئے اس پر آزادی سے تنقید کریں۔" (۱۳)

سائنس اور مذہب دونوں مل کر زندگی کی احتیاجات کی تکمیل کرتی ہیں۔جس جگہ سائنس ہے، وہاں مذہب کو ہونا چاہیے اور جس جگہ مذہب ہے وہاں سائنس کو ضرور ہونا چاہیے۔فرانس کے مشہور سائنسدان ڈاکٹر مورس بکائی، جس نے اسلام قبول کیا اس نے اپنی ایک کتاب "بائبل، قرآن اور سائنس میں لکھا ہے کہ:

"قرآن اور سائنس دو جڑواں بہنیں ہیں۔سائنس پڑھنے والوں کو قرآن اور قرآن پڑھنے والوں کو سائنس نے ضرور پڑھنی چاہیے۔"(۱۴)

ماڈرن سائنس atom اور sub atomic سے تعلق رکھتی ہے اور تصوف میں شعور کی کیفیت ہے۔ صوفی مراقبے کے زور پر بصیرت کی تجربہ گاہ میں اترتا ہے۔ مذہب روح کی بالیدگی کرتا ہے۔ سائنس انسانی ضروریات پورا کرتی ہے۔ خدا کی پہچان میں علم کا بڑا عمل دخل ہے۔ جیسے مفلس کبھی سخی ہو ہی نہیں سکتا اسی طرح بے علم یا لا علم یہ نہیں کہہ سکتے کہ "علموں بس کریں او یار" جب علم کی حد ہی نہیں ہے تو بس کس بات کی۔ بقول اشفاق احمد:

"ارشاد: انسانی جسم اور اس کے ماحول کی بہتری کے لیے سائنس اور روح کی نشو و نما اور انسان کے اندر کی فضا کے لیے مذہب ہوتا ہے"۔(۱۵)

قرآن مجید نے تاریخ کو ایام اللہ سے تعبیر کیا ہے اور اسے علم کا سرچشمہ ٹھہرایا ہے۔ ایام اللہ سے مراد وہ واقعات ہیں جن کا ذکر قرآن پاک نے کیا ہے۔ ان سے انسان کو یہ سبق ملتا ہے کہ ماضی میں بعض اقوام کس کی بنا پر صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہیں۔ اگر وہ ہم میں بھی پیدا ہوں تو صفحہ ہستی سے مٹنا یقینی ہے اور ماضی میں بعض اقوام کن وجوہات کی بنا پر ترقی سے ہمکنار ہوئی ہیں اور وہ اگر ہم میں پیدا ہوں تو ہم بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ اشفاق احمد تاریخ کا حوالہ کچھ یوں دیتے ہیں۔ محمد حسین ہمارے حضرت سائیں نور والے فرمایا کرتے تھے:

"محمد حسین ہر کارے میں ہاتھ باندھ کر کہتا ہے "جی سرکارے" فرماتے "جہاں مولا نہیں، وہاں رولا ہے۔ جو جو لوگ مولا سے دور ہوتے جائیں گے رولا بڑھتا جائے گا اور ایک دن یہی شور ان کو پکڑ لے گا۔ جس طرح حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کو چیخ نے پکڑ لیا تھا"۔(۱۶)

فکر کے معاملے میں قرآن نے انسانی فکر کو اپنی مخصوص زبان میں ابھارا ہے۔ قرآن انسانی سوچ و فکر کے بارے میں بیشتر ذکر ملتا ہے کیا آپ کو نہیں لگتا؟ آپ وجوہات کیوں نہیں بتاتے؟ کیا آپ کے پاس وژن نہیں ہے؟ قرآن نے بھی رسول ﷺ کو یہ دعا سکھائی "اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما" قرآن میں کائنات کے بارے میں ۷۵٦ آیات ہیں۔ انسان کے تفکر و تدبر اور غور و فکر کا موضوع ہونی چاہییں۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی کے مطابق:

"حکمت ہی وہ سائنس ہے جو زندگی کی نئی جہتوں کا سراغ لگانے کا باعث بنتی ہے۔ نئے آفاق کی جستجو سکھاتی ہے اور اشیاء کو معنویت سے آگاہ کرتی ہے"۔(۱۷)

درحقیقت چیزوں کی طرف انسان کا یہ رویہ کائنات کے ساتھ ساتھ اس کے نئے رشتوں سے بھی آگاہ کرتا ہے اور یہ دلکش نقطہ نظر علم کے حصول، خالق کائنات سے تعلق کے قیام کا حتمی انعام ہے اور تجربے کے ذریعے اس اعتراف تک پہنچتا ہے کہ کائنات میں ایک عظیم اور طاقتور قوت ہے جو اپنی حیرت انگیز سرگرمیوں اور مشترکہ تخلیقی عمل سے ہمیں مسلسل حیران کرتی رہتی ہے۔ بقول اقبال:

"انسان احساسات کا پیکر ہے اور جبلتوں سے مغلوب رہتا ہے۔ وہ اپنے ماحول کی تسخیر کر سکتا ہے
تو صرف عقل استقرائی کی بدولت۔"(۱۸)

اشفاق احمد نے زندگی کی نمود اور تسلسل کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

"ارشاد: کیا کرتا ہے تمہارا پودا اختلاف کے اندر رہ کر"
انوشے: اس کی جڑیں اندھیرے میں رہ کر خوراک اوپر سپلائی کرتی ہیں۔
سر اور پتے روشنی سے تغذیہ حاصل کر کے سیلز کو زندہ رکھتے ہیں"۔(۱۹)

معلوم کے علم سے نامعلوم کا علم کہیں زیادہ ہے۔ آپ ﷺ اسی باعث دعا فرمایا کرتے تھے کہ "پروردگار! مجھے مخفی حقیقتوں کے اصل روپ سے آگاہی بخش" انسان اپنے حواس سے سیکھتا ہے کیونکہ انسان اپنے حواس کا قیدی ہے۔ جو اس کی عقل میں آتا ہے، وہی اس کا علم ہے لیکن انسان تجربے سے جاننا چاہتا ہے میں یہاں کیوں آیا ہوں؟ میں کیوں زندہ ہوں؟ میری تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ چنانچہ قرآن پاک میں ہے: "لیس الانسان الا ما سعیٰ"

انسان کے لئے کچھ نہیں سوائے اس کے جو اس نے کوشش کی۔۔۔ "من عرفہ نفسہ فقد عرف ربہ" جس نے خود کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

"من چلے کا سودا" میں ارشاد خود سے کچھ یوں ہمکلام ہے:

"ارشاد: جب سب کچھ مل جاتا ہے۔ دولت، عزت، محبت۔۔۔ جب ہر رنگی خوشی، ہر رنگ کی
آسائش مل جاتی ہے تو پھر اصل۔۔۔ "کیوں" جاگتا ہے بڑا سا پھن اٹھاتا ہے اور پوچھتا ہے میں
کیوں یہاں آیا ہوں؟ میں کیوں زندہ ہوں؟"(۲۰)

ارشاد بھی اس کیوں کے جواب کے لیے سرگرداں پھرتا ہے حالانکہ اس کی ماں سمجھتی ہے کہ وہ ایسے صوفیوں کی کہانیاں پڑھتا ہے جنہوں نے دنیا ترک کی۔ سارا دن ایسے لوگوں کے متعلق سوچتا ہے جو اللہ کی راہ پر چل کر سب کچھ بھول گئے ہیں درحقیقت ارشاد رہبانیت کے رستے پر نہیں چل رہا بلکہ برصغیر میں تصوف کی جو روایت تھی جس میں شریعت کے بغیر طریقت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور بقول اشفاق احمد:

"طریقت کی شروعات ہی مادی غرض و غایت سے پاک ہونا ہے۔ پہلا ذریعہ شریعت ہے۔ دوسرا
ذریعہ طریقت ہے۔ تیسرا حقیقت ہے اور چوتھا معرفت ہے"۔(۲۱)

شریعت دودھ ہے، طریقت دہی ہے، حقیقت مکھن ہے اور معرفت گھی ہے۔ اگر دودھ نہ ہو تو کچھ بھی نہیں بن سکتا نہ بنا سکتا ہے چنانچہ ارشاد فیکٹری کے کام میں دلچسپی نہیں لیتا تو اس کی ماں پھر واویلا کرتی ہے لیکن وہ ان الفاظ میں جواب دیتا ہے:

"ارشاد: میں آپ کو بتانا چاہ رہا تھا کہ شہر سے دور میں نے ایک چھوٹا سا گھر خرید لیا ہے۔ اس میں ایک لیبارٹری ہو گی چھوٹی سی۔ میں ریٹائر ہو گیا ہوں حب جاہ سے ۔۔۔۔دولت کے حصول سے۔۔۔۔۔نامودی سے۔۔۔۔۔اپنی اہمیت سے۔۔۔۔" (۲۲)

کاروں اور کوٹھیوں کو استعمال کرنا برا نہیں مگر ان کی محبت میں گرفتار ہو کر اپنے مالک سے غفلت برتنا برا ہے اور غرور و تکبر کو دل میں جگہ دینا برا ہے۔ حالانکہ بڑائی اور کبریائی صرف اللہ ہی کا حق ہے۔ حدیث قدسی ہے:

"الکبریا ردائی من تکبر فقہ، خاصمنی"

ترجمہ: کبریائی میری چادر ہے۔ جس نے تکبر کیا اس نے میرے ساتھ جھگڑا کیا۔(۲۳)

قوم عاد اپنی طاقت پر فخر کرتے تھے اسی طرح ہر قوم کسی حیثیت سے مجد و تفویق پر قابض ہوتی ہے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں بھی اپنی قوت پر مغرور رہتی ہے۔ اسی طرح متکبرین عاد نے کہا" حضور ہمیں ڈراتے کس سے ہو؟ قوت وزور میں ہم سے کون بڑا ہے؟" حضرت ہود علیہ السلام نے کہا"تمہاری قوت مسلم، لیکن اگر اصلاح کی دعوت قبول کرو گے تو خدا تمہیں اور قوت بخش دے گا۔ تکبر علم میں اضافے کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے اور سب سے بڑا تکبر علم میں اضافے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جاہ و حشمت کی وجہ سے تکبر جو صوفی کو سلوک کی منازل طے کرنے میں حائل ہو سکتا ہے اس لیے ارشاد معرفت کے راستے کا مسافر ہے۔ وہ دولت، ناموری، جاہ و حشمت سے بھر گیا ہے وہ دنیاداری کے بکھیڑوں سے تنگ آکر صرف اتنا رزق حاصل کرنا چاہتا ہے، جتنا ضرورت ہے جو رب سے غافل نہ کرے وہ فیکٹری کے بڑے کاروبار سے تنگ ہے، جہاں جگہ جگہ رشوت ہے بجلی کے بل میں، پانی کے حصول میں، پروڈکشن کے بنانے میں، افسران کے فارن ٹور ارینج کرنے میں، حتیٰ کہ ہوا کھانے میں بھی۔ کوئی ایک جگہ بھی سمجھوتے کی نہیں۔ ہر مقام بداخلاقی کا ہے۔ اس لیے ارشاد کہتا ہے:

"اب میں صرف اتنا رزق حاصل کرنا چاہتا ہوں جو بقدر ضرورت کام آئے۔ صرف اتنا کام کرنا چاہتا ہوں جو میری ذات کو نقصان نہ پہنچائے اور رب سے غافل نہ کرے"۔(۲۴)

سائنس اگر ہمیں طبعیات کا علم دیتی ہے تو مابعد الطبعیات کا علم ہمیں تصوف سے ملتا ہے۔ فزکس کا تعلق مادیت سے ہے۔ اس لیے تصوف کا روحانیت سے ہے۔ ارشاد تصوف کے رستے پر چلنے کے لیے اظہار خیال کرتا ہے:

"ارشاد: میں تو صرف باطن کے سفر میں انٹرسٹڈ ہوں"

:(ہنس کر) باطن کا سائیں بننا ہے بھائی جان تو پھر تجربے سے گزرنا ہو گا

سائنسدان کی طرح یک طرفہ ہونا ہو گا۔اس کے روپے کی پیروی کرنا پڑے گی۔مٹھ میں اترنا
پڑے گا اور مٹھ میں اترے گا تو مراقبہ کرنا پڑے گا اور مراقبہ لیبارٹری میں ہوتا ہے۔بھائی جان
زبانی کلامی علم میں نہیں چھپی چھپائی معلومات میں نہیں۔"(۲۵)

پھر جب صوفی سلوک کی منازل طے کرلیتا ہے تو اس کو دوبارہ دنیا میں چھوڑ دیا جاتا ہے تا کہ اس نے اپنے تجربہ سے جو کچھ سیکھا ہے اس سے دنیا کو فیض یاب کر سکے کیونکہ اپنے علم کی بنا پر باعمل ہونا بہت ہی کٹھن کام ہے کیونکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ سرچ لائٹ لے کر خدا کی رہنمائی کریں۔اشفاق احمد صوفی کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"ارشاد: فقیر جب تنہا ہوتا ہے تو لوگ اس کی تنہائی اور پرائیویسی سے خوف زدہ نہیں ہوتے اور
چق اٹھا کر اندر گھس سکتے ہیں۔۔۔۔۔ اپنا حال بیان کرسکتے ہیں اور جب وہ بھیڑ میں ہوتا ہے سب
میں ملا جلا نظر آتا ہے۔"(۲۶)

جب بھی صوفی کو سلوک کی منازل طے کروائی جاتی ہیں تو اس کو کچھ وقت کے لیے دنیا سے الگ کر دیا جاتا ہے۔بقول اشفاق احمد:

"رمضان: دنیا میں صرف دو صاحبان علم ایسے ہیں جو عمل کے اکھاڑے میں اتر کر علم حاصل کرتے
ہیں۔بھائی جان۔۔۔ ایک سائیں دوسرا سائنٹسٹ۔دونوں کو اپنی اپنی لیبارٹری میں بند ہو کے علم
حاصل کرنا پڑتا ہے، کتاب پڑھ کر نہیں"۔ (۲۷)

صوفی کا مقصد رضائے الٰہی ہوتا ہے اس لئے اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

؎صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال
ملا کی شریعت میں فقط مستی گفتار

یہ ذہانت علم و دانش ہے جس سے انسان اللہ کے قریب تر محسوس کرتا ہے جبلت خدا کی حریف ہے اور عقل و معرفت خدا کی پہچان کا ذریعہ ہے۔سلوک کی منازل پر چلنے سے جو کیفیت صوفی پر وارد ہوتی ہیں وہ کسی اور تک منتقل نہیں کی جاسکتی تاہم ان کیفیات کا علم تجربے سے ہی حاصل ہوتا ہے لیکن سلوک کی منازل پر چلنے کے لئے اور کامیابی حاصل کرنے کے لیے تزکیہ نفس کی ضرورت ہوتی ہے۔

"عبداللہ: اپنے اندر۔۔۔ اندر دیکھنا ہے۔اندر جھات ڈالنی ہے کہ کوئی گند بلا تو نہیں۔کوڑا کرکٹ تو
نہیں۔شہ رگ کے تخت طاؤس کے نیڑے نیڑے۔۔۔۔شرک منافقت تو اندر نہیں
۔۔۔۔۔۔بس پھر سّتے ای خیراں،،،،،" (۲۸)

کیوں کہ خواہشات کی غیر شرعی تکمیل سے اجتناب اور زہد کا مفہوم خدا کے ساتھ انسان کا تعلق توڑنے یا کمزور کرنے میں انسانی خواہشات کی تکمیل بھی بڑا کردار ادا کرتی ہیں۔ ان کی تکمیل میں احتیاط سے کام لینے کی تاکید آئی ہے۔ اشفاق احمد روحانی اصلاح کا مشورہ ان الفاظ میں دیتے ہیں:

"ارشاد: جب انسان اپنے سارے کام اپنے ہاتھ سے کرنے لگتا ہے تو بہت سارے غیر ضروری کام خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ اپنے آپ سے ملنے کا وقت مل جاتا ہے۔ اپنا conduct درست کرنے کی فضا قائم ہو جاتی ہے"۔(۲۹)

صوفی کے لیے ضروری ہے کہ وہ تبلیغ نہ کرے بلکہ اپنی انفرادی اصلاح کر کے اجتماعی اصلاح کا سبب بنے۔ اپنے اندر ایسی تبدیلیاں کرے کہ اس کے عمل سے تبدیلی ظاہر ہو اور ارد گرد کے ماحول میں تبدیلی رونما ہو کیونکہ اگر باطن ٹھیک ہو جاتا ہے تو اس کا ظاہر بھی ہے ٹھیک ہو جاتا ہے۔ وہ لوگوں کے لئے زیادہ سے زیادہ فائدہ مند اور کم سے کم نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ صوفی عطائے خداوندی کو رضائے خداوندی پہ لگاتا ہے۔ ایسے الفاظ کا استعمال نہیں کرتا جو دوسروں کے لئے دل آزاری کا باعث بنیں اس لیے ہمیں تصوف میں انسان دوستی کا سبق ملتا ہے۔ اشفاق احمد روح کی خوراک کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

"عبداللہ: سن بابو لوکا، ارشاد خوش نصیبا! امن آشتی، صلح صفائی، سلام سلامتی کی لیبارٹری میں کام کرے گا تو روح کے ایٹم کی تحقیق ہو جائے گی۔" (۳۰)

پھر صوفی جب تصوف کی منازل طے کر لیتا ہے تو کائنات اس کی آنکھوں سے غائب ہو جاتی ہے۔ وہ وحدت الوجود کے نظریے کا اثر لیتا ہے۔ اس لیے اشفاق احمد کہتے ہیں:

"رمضان: او بھائی جان! کوانٹم تھیوری کو جانے بغیر اور فوٹان کی کیفیت سمجھے بنا غوث الاعظم کا یہ اسرار کیسے سمجھ گئے کہ مواحد جب مقام توحید پر پہنچتا ہے تو نہ مواحد رہتا ہے نہ توحید، نہ واحد نہ بسیار، نہ عابد نہ معبود، نہ ہستی نہ نیستی، نہ صفت نہ موصوف، نہ ظاہر نہ باطن، نہ منزل نہ مقام، نہ کفر نہ اسلام، نہ کافر نہ مسلمان۔"(۳۱)

کیوں کہ غافل کے لئے ساری کائنات حجاب ہے اور جاگنے والے کے لئے ساری کائنات انکشاف ہے۔ تصوف کی منازل کامیابی سے طے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ رزق حلال کمایا جائے۔ اسی طرح اگر مرغی کو اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کریں تو اس کا انسانی جینز پر اور طرح کا اثر ہوتا ہے اور اگر اللہ اکبر پڑھے بغیر ذبح کیا جائے تو اور طرح کا اثر ہو گا۔ اس لئے اشفاق احمد کہتے ہیں کہ اگر رزق حلال کمایا جائے تو کبھی بھی تسبیح کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

"یہ دولت یہ جائیداد یہ بینک بیلنس کیا ذرا بھی موت ان کے درمیان حائل ہونے سے یہ ساری چیزیں آپ سے جدا ہو جائیں گی۔ اسی لئے ان سب چیزوں کے سامنے پہلے ہی مر جاؤ اور پیشتر اس کے کہ یہ آپ سے بے وفائی کریں، آپ ان سے منہ موڑ جاؤ اور اس چیز کو اختیار کرو جو لافانی ہے جو امر ہے جو سماوی ہے۔" (۳۲)

گویا سائنس معلوم کی تحقیق کا نام ہے اور مذہب نامعلوم کی دریافت ہے۔ سائنس انسانی خوشی کو وسعت دینے کا نام ہے لیکن مذہب کا مقصد ہر فرد کے نامعلوم کا عرفان حاصل کرنا ہے۔ دنیا میں بہت ساری سائنسیں ہیں لیکن مذہب ایک ہی ہے۔ سائنس ترقی پذیر ہے اور مذہب ازلی اور ابدی ہے۔

ڈرامے کے ایک منظر میں بابا تحسین اپنی پوتی سے کہتا ہے کہ:

"اٹھ کر دیکھ تو سہی سارے عبادت کے لیے اٹھ گئے ہیں۔ چرند پرند، درخت، پانی سارے، سب کے سب۔ دادا کہا کرتے تھے کہ جب لوگ دیر دیر تک سویا کریں گے اور صبح-------- اللہ کا نام لینا چھوڑ دیں گے تو قیامت قریب ہو گی" (۳۳)

نیکی نماز کو دل نہ بھی چاہے اور وہ پڑھتا بھی رہے تو بھی اچھا ہے۔ بابا تحسین نے اپنے تجربے اور استقرائی طرز فکر کی بنا پر کہا کہ ہاں بیٹا یہ تو اور بھی اچھا ہے۔ جیسے دوا ان مانے جی سے بھی لو تو آرام دیتی ہے۔ ایسے ہی عبادت روح کو تسکین دیتی ہے۔ بابا ایک منظر میں اپنا روحانی تجربہ یوں بیان کرتا ہے:

"او مورکھ! عبادت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک عبادت قلب کرتا ہے اس کا نام لے لے کر دوسری عبادت ہاتھ کرتے ہیں۔ ماں بچہ پالے عبادت، مزدور روڑی کوٹے عبادت، دل نام جپے عبادت ----ساتھ ساتھ معاملہ چلے تو بات ہے"۔ (۳۴)

جب بندہ اللہ کا ہو جاتا ہے تو دل بدل جاتا ہے۔ جب توجہ اللہ پر مرکوز ہوتی ہے، زندگی بہار بن جاتی ہے۔ ہر قدم پر اللہ سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ اس کے کھانے پینے، رونے ناچنے اور گانے میں اللہ کی رضا اور خوشنودی اس کا مقصد بن جاتی ہے۔ ایک قسط میں محمد حسین ارشاد سے کہتا ہے:

"محمد حسین: ارشاد میاں! جب توجہ غیر اللہ سے ہٹ کر اللہ پر مرکوز ہو جاتی ہے تو بہاریں آجاتی ہیں۔ انسان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا حال منال، علم و دانش، کمیت، تجارت، صنعت و حرفت، رنج و غم اور سود و زیاں جو کچھ بھی ہے اللہ کے لئے ہے۔ پھر وہ طلب دنیا میں ہر ہر قدم پر طلب مولا کو پاتا ہے۔ کھائے، پیئے، ناچے، گائے اور روپے سوئے، ٹارگٹ اس کا اللہ اور اللہ کی ذات ہوتی ہے" (۳۵)

ڈرامے میں رمضان موچی، لبھا خاکروب، عبداللہ چرواہا، محمد حسین ڈاکیا معرفت کے راستے کے مسافر ہیں۔ ایک ہی روشنی کی چار کرنیں ہیں۔ ''من چلے کا سودا'' میں مرکزی کردار ارشاد کا ہے جو اپنی مالی آسودگی، تعلیم اور سماجی مرتبے کے باوجود مضطرب رہتا ہے اور روحانی بالیدگی کے سفر پر روانہ ہو جاتا ہے۔ ڈرامے میں صوفیاء کے خیالات کے مطابق اس دنیا کے نظام کے متوازی ایک اور نظام اور اہتمام دکھایا جاتا ہے جو نیک اور اللہ کا قرب رکھنے والوں کے ہاتھ میں ہے۔ ارشاد سلوک کی منزلیں طے کرتا ہوا اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں وہ صاحب ارشاد ہو جاتا ہے۔ ڈرامے کے مکالمے خوبصورت اور خیال انگیز ہیں۔ ڈرامائی تکنیک کی پاسداری کی گئی ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ سید احمد دہلوی: فرہنگ آصفیہ، جلد اول، مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۷ء، ص ۴۱۰

۲۔ عبدالمجید میمن: ڈاکٹر: پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۲۰۰۰ء، ص ۶

۳۔ اشفاق احمد: من چلے کا سودا، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۶

۴۔ نذیر نیازی، سید: مترجم، تشکیلِ جدید الہیات اسلامیہ، بزمِ اقبال، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۹۲

۵۔ اشفاق احمد: من چلے کا سودا، ص ۵۶

۶۔ ایضاً، قسط نمبر ۳، منظر ۳، ص ۲۵

۷۔ نذیر نیازی، سید: مترجم، تشکیلِ جدید الہیات اسلامیہ، ص ۱۹۲

۸۔ اشفاق احمد: من چلے کا سودا، ص ۲۰۴

۹۔ نذیر نیازی، سید: مترجم، تشکیلِ جدید الہیات اسلامیہ، ص ۱۹۲

۱۰۔ اشفاق احمد: من چلے کا سودا، ص ۳۵

۱۱۔ نذیر نیازی، سید: مترجم، تشکیلِ جدید الہیات اسلامیہ، ص ۱۹۲

۱۲۔ اشفاق احمد: من چلے کا سودا، ص ۵۹

۱۳۔ نذیر نیازی، تشکیلِ جدید الہیات اسلامیہ، ص ۱۹۸

۱۴۔ حفیظ الرحمن صدیقی: ڈاکٹر: سائنس کا ارتقا، سرمایہ اردو، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

۱۵۔ اشفاق احمد: من چلے کا سودا، ص ۳۶

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۳۶

۱۷۔ سمیع اللہ قریشی: پروفیسر: تشکیل موضوعات فکر اقبال، اقبال اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۷۸
۱۸۔ نذیر نیازی، سید: مترجم، تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۲۲
۱۹۔ اشفاق احمد: من چلے کا سودا، ص ۲۴۱
۲۰۔ ایضاً، ص ۲۰
۲۱۔ اشفاق احمد: بابا صاحبا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۲۳۰
۲۲۔ اشفاق احمد: من چلے کا سودا، ص ۱۰۱
۲۳۔ مولانا عنایت اللہ وارثی: تذکیر بایّام اللہ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۸ء، ص ۱۷
۲۴۔ اشفاق احمد: من چلے کا سودا، ص ۱۰۱
۲۵۔ ایضاً، ص ۱۰۷
۲۶۔ ایضاً، ص ۱۷۰
۲۷۔ ایضاً، ص ۶۰
۲۸۔ ایضاً، ص ۱۳۴
۲۹۔ ایضاً، ص ۱۱۱
۳۰۔ ایضاً، ص ۲۰۴
۳۱۔ ایضاً، ص ۱۰۷
۳۲۔ اشفاق احمد: بابا صاحبا، ص ۴۸۵
۳۳۔ اشفاق احمد: من چلے کا سودا، ص ۶۷
۳۴۔ ایضاً، ص ۶۹
۳۵۔ ایضاً، ص ۲۳۵